ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 05 No. 01. January-March 2026.Page# 6655-6663
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Revolutionary leader and Raees-ul-Ahrar Habib-ur-Rehman Ludhianvi's biography and Services

انقلابی رہنما، رئیس الاحرار، حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا تعارف وخدمات

Muhammad Khalid
FG Public School, Shershah Road Multan Cantt.
drkhalid931@gmail.com 0306-8767557
Muhammad Irfan Wahid
SST 21 I Block, Near Ansari Chowk Shah Rukn e Alam Colony Multan
mirfanwahid@gmail.com 0300-7733261

Abstract
Raees-ul-Ahrar Habib-ur-Rehman Ludhianvi was no doubt a prominent religious scholar, political activist, and social reformer who played a significant role in promoting social tolerance and communal harmony in the Indian subcontinent. His services were rooted in the principles of justice, equality, mutual respect, and peaceful coexistence. He strongly opposed social discrimination, sectarian prejudice, and religious intolerance, emphasizing that Islam promotes compassion, brotherhood, and respect for humanity. Through his religious teachings, political struggle, public speeches, and literary contributions, he encouraged Muslims to develop awareness of their social responsibilities and to maintain peaceful relations with followers of other faiths. His efforts also focused on resisting colonial policies that created divisions among different communities. He believed that social stability could only be achieved through justice, dialogue, tolerance, and collective responsibility. His approach to social reform combined Islamic teachings with the practical needs of society, making his message relevant to contemporary challenges. This study examines the major services of Habib-ur-Rehman Ludhianvi in promoting social tolerance and evaluates their historical and intellectual significance. It also explores how his teachings can contribute to addressing sectarianism, religious intolerance, social polarization, and communal conflict in the present world.

Keywords: *Coexistence, intellectual, struggle, literary, sectarianism and polarization.*

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا شمار برصغیر کے ان قائدین میں ہوتا ہے جنھوں نے مسلمانان ہند کی دینی اور سیاسی قیادت کی اور برصغیر کے مسلمانوں کو کو متحد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔

نام ونسب: مولانا کے نسب کا سلسلہ صرف چھ پشتوں تک ہی تاریخی دستاویزات میں موجود ہے، جو اس طرح ہے:

حبیب الرحمٰن بن محمد ذکریا بن محمد بن شاہ عبد القادر بن عبد الوارث بن خلیفہ جان محمد مولانا حبیب الرحمٰن کے آباؤاجداد ضلع جالندھر کے گاؤں نوکھروال کے رہنے والے تھے۔ آپ کے پردادا حضرت مولانا شاہ عبد القادر بن مولانا عبد الوارث کی پیدائش 1789ء میں لدھیانہ کے ایک گاؤں "ولی آل" میں ہوئی، نہایت ذہین اور لائق عالم دین تھے جنھوں نے ابتدائی تعلیم، حفظ قرآن اور درس نظامی کے تمام علوم لدھیانہ میں اپنے والد مولانا جان محمد سے حاصل کیے۔ مولانا شاہ عبد القادر کی شادی مولانا محمد عبد اللہ دانگوی کی بیٹی سے ہوئی جو مولانا لطف اللہ کے خلیفہ تھے اور وہ مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ تھے۔ مولانا عبد القادر تعلیم سے فراغت کے بعد پٹیلی بھیت کے ایک مدرسہ میں صدر مدرس مقرر ہوئے۔ اس کے بعد وہ نجیب آباد تشریف لے گئے اور ایک مسجد میں قیام کیا اور 1825ء میں اپنے وطن ولی آباد لوٹ آئے اور درس و تدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔

پیدائش: مولانا حبیب الرحمٰن کی پیدائش لدھیانہ کے محلہ موچپورہ میں 3 جولائی 1892ء بمطابق 11 صفر المظفر بروز اتوار ہوئی۔ آپ کے دادا کی عمر اس وقت 65 سال کے قریب تھی، آپ کو اپنے دادا کی سرپرستی 1903ء تک حاصل رہی، اپنے والد کی پہلی اولاد ہونے کی وجہ سے دادا، دادی دونوں کو بہت خوشی ہوئی اور انہیں پورے خاندان سے بے حد محبت اور توجہ ملی۔ آپ بلا کے ذہین تھے۔ بچپن ہی میں انہیں دینی وعصری علوم پر دسترس حاصل ہو گیا تھا۔

حلیہ: مولانا دراز ریش اور دراز قامت تھے آپ کا چہرہ بارونق تھا اور حجازی عبا اکثر زیب تن کیے رکھتے تھے۔

عائلی زندگی کا آغاز: 1903ء میں اپنی عمر کے دسویں سال میں مولانا جس وقت گھر کے مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، اسی دوران آپ پر گھریلو ذمہ داریوں کا بوجھ بھی آپڑا اور آپ ان ذمہ داریوں کو نبھانے میں مصروف ہو گئے۔ آپ کے دادا کے چھوٹے بھائی مولانا عبد العزیز صاحب کی صاحبزادی محترمہ شفاعت النساء سے آپ کی نسبت طے کر دی گئی، لیکن شادی 1910 کے قریب ہوئی، اپنے رشتہ ازدواج کے بارے میں مولانا اپنی یادداشتوں میں لکھتے ہیں:

> ”مولانا شاہ عبد العزیز نے دادا مرحوم سے مشورہ کرکے انتقال سے ایک ماہ پہلے اپنی لڑکیوں کی نسبت اپنے خاندان کے لڑکوں سے کر دی، میری نسبت مولانا عبد العزیز صاحب کی چھوٹی صاحبزادی شفاعت النساء سے ہوئی، میری اور میری اہلیہ کی عمر بہت کم تھی ایک مدت تک ہم دونوں یہ نہ سمجھ سکے کہ ہمارا آپس میں کیا رشتہ ہے“۔[1]

تعلیم وتربیت: ظہیر الدین صدیقی مولانا عزیز الرحمٰن جامعی کی کتاب ”رئیس الاحرار اور ہندوستان کی جنگ آزادی“ کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

> ”آپ کا خاندان ہمیشہ سے مجاہدین کا خاندان رہا ہے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے خاندان کی اس فکری اور انقلابی روایت کو نہ صرف اپنایا بلکہ اسے آگے بڑھایا۔ وہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں پورے چالیس سال شریک رہے اور ہمیشہ ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے نفر درہے اور ایک سچے مجاہد کی طرح مصائب وآلام جھیلتے رہے“۔[2]

گھر کا ماحول چونکہ انقلابی تھا آپ کے دادا مجاہد، ولی اور فقیہہ تھے اور آپ کی پیدائش کے وقت حیات بھی تھے اس لیے ان کے زیر سایہ آپ کی تعلیمی ابتداء اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوئی، قرآن مجید اور اردو کی تعلیم مدرسہ لدھیانہ میں ہی ہوئی جو ان کے بزرگوں کا قائم کردہ تھا۔ جب آپ اپنی عمر کے چھٹے یا ساتویں سال میں پہنچے تو آپ کے دادا آپ کو اسلام کی محبت، اللہ اور اس کے رسول کی محبت اور انگریز دشمنی جیسے موضوعات پر تعلیم دینے لگے اور اس مقصد کے لیے آپ کے سامنے چھوٹی چھوٹی تقریریں کرتے تھے اور ان کو بار بار دہراتے تھے اور مولانا کو گود میں لے کر کہتے تھے بیٹا جو کچھ میں نے تم کو سنایا ہے اس کو دہراؤ، اور جب مولانا ان کی باتیں دہرانے لگتے تھے تو آپ کے دادا آپ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اس لئے دادا کا اثر پوتے پر ہونا لازمی تھا۔ یوں شروع سے ہی مولانا کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اسلام کی محبت اچھی طرح نقش ہو گئی، دادی نے بھی پوری لگن کے ساتھ مولانا کی تربیت کی اور آپ کی تعلیم کا خاص خیال رکھا۔ آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ حقانی میں جو آپ کے دادا حضرت مولانا محمد نے ہی قائم کیا تھا، آپ کے دادا کے زیر سرپرستی ہوئی، آپ نے یہاں صرف تیسری جماعت تک تعلیم حاصل کی، دادا کے رحلت فرما جانے کے بعد آپ کے والد نے آپ کو جالندھر کے ہی ایک علاقے نکودر کے عربی مدرسے میں داخل کروا دیا (یہ مدرسہ آپ کے نانا نے قائم کیا تھا) جہاں آپ کچھ عرصہ مدرسہ ہی میں مقیم رہے لیکن جب مولانا عبد اللہ کو ٹلوی (یہ آپ کے دادا مولانا محمد کے شاگرد تھے) یہاں مدرس بن کر آئے تو انہوں نے آپ کو اپنے گھر رہنے کو کہا، چنانچہ آپ ان کے گھر رہنے لگے، یہیں آپ نے ان سے کچھ چھوٹی کتابوں کے اسباق پڑھے، آپ کے ہم سبق ساتھیوں میں مولانا خیر محمد صاحب، مولانا احمد دین پوری اور مولانا عبد اللہ کے نام نمایاں ہیں۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا عبد اللہ گلاؤ ٹھی والے، مولانا عبد اللہ کو ٹلوی اور حافظ محمد صالح صاحب کے نام آتے ہیں۔ اس مدرسے میں دو سال تک زیر تعلیم رہے، اس کے بعد آپ کو امرتسر میں مولانا نور احمد سیالکوٹی کے پاس پڑھنے کے لیے بھیج دیا گیا جو فرید چوک میں شیخ بڈھے کی مسجد میں رہائش پذیر تھے اور وہیں ان کا مدرسہ تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن نے وہاں درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ ایک نابینا بزرگ سے تجوید کا علم بھی حاصل کیا، یہاں آپ کے ساتھیوں میں مولانا عبد اللہ صاحب، مفتی نعیم احمد صاحب اور آپ کے ماموں زاد مولانا عتیق الرحمٰن کا نام نمایاں ہے۔ آپ نے یہاں 1914ء تک تعلیم حاصل کی لیکن بعد میں کچھ مسائل کی بنا پر تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔ 1910 کے قریب شادی ہوئی، اسی دوران آپ کی چھوٹی بہن کا انتقال ہو گیا۔

مولانا ابھی تک مولانا نور محمد کے مدرسہ میں ہی تعلیم حاصل کر رہے تھے کیونکہ آپ کے والد نے آپ کو دوبارہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا تھا۔ اسی دوران بلقان کی جنگ شروع ہو چکی تھی، آپ اس عرصے میں جب لدھیانہ آئے تو تنہائی میں بہت زیادہ بے چین ہو جاتے تھے اس کے علاوہ خاندان کے حالات نے بھی آپ کے دل پر بہت اثر کیا تھا، جب آپ انگریزوں کے ترکوں پر مظالم کی کہانیاں سنا کرتے تھے تو اور زیادہ بے چین ہو جاتے تھے۔ اپنے ان ایام کا ذکر اپنی یادداشتوں میں کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں، اپنی بے بسی پر گھنٹوں مسجد کے اندر دعا کرتا اور رویا کرتا تھا کہ کوئی راستہ انگریزوں کے خلاف کام کرنے کا ملے، ایک دن شہر کے چند نوجوان دوستوں اور ساتھیوں سے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو انہوں نے میری بات سن کر شہر کے اسلامیہ اسکول کے سامنے والے میدان میں جلسہ کرنے کا اعلان کر دیا، جلسہ کا عنوان تھا” آج مولانا حبیب الرحمٰن کا وعظ ہو گا اور ترکوں کی ہمدردی میں بھی تقریریں ہوں گی“ اس اعلان کا ہونا تھا کہ شہر کے ہندو مسلمان ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے جلسہ میں شہر کے امراء، رؤسا، وکلاء اور ڈاکٹر غرض کہ ہر طبقہ خیال کے لوگ موجود تھے، سی بی آئی کے رپورٹر بھی خاص تعداد میں موجود تھے، اسٹیج پر میں تھا اور میرے چند نوجوان ساتھی اور کسی کو یہ ہمت نہ تھی کہ اسٹیج پر آ کر بیٹھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک میری تقریر ہوئی، تقریر سن کر لوگون کے دل میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ 1857 کے بعد یہ اپنی نوعیت کا پہلا جلسہ تھا، اس رات میرے والد کے پاس ان کے دوست آئے اور کہا کہ آپ کے صاحبزادے حبیب الرحمٰن دادا پردادا کے رنگ پر جا رہے ہیں، میرا کیال ہے کہ صاحب زادہ پر جذبہ شہادت سوار ہے، پھانسی سے کم ان کو سزا نہ ہو گی، اس لیے ان کو آپ مناسب طریقہ پر چلائیں، حالات ایسے نہیں ہیں کہ اتنی تیزی دکھائی جائے۔ والد صاحب نے تو ان سے کچھ نہ کہا، لیکن دوسری صبح مجھے لے کر دیو بند روانہ ہو گئے“۔[3]

اساتذہ سے دلی محبت کا اظہار: مولانا نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ دارالعلوم دیوبند سے حاصل کیا جو مولانا کا علمی گہوارہ تھا، اپنی فطری سعادت مندی، نیک طبعی اور ذہانت و فطانت کی وجہ سے بہت جلد مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا میاں اصغر حسین، مولانا محمد احمد، ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا شبیر احمد عثمانی جیسی عبقری شخصیات سے خوب خوب علمی فائدہ اٹھایا۔ ان نابغہ روزگار شخصیات کا مولانا کے دل میں بہت احترام تھا اور آپ ان کا ذکر بڑی عقیدت و محبت سے کرتے تھے۔ قاضی زین العابدین میرٹھی اپنے اکابر سے مولانا کی محبت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”ایک دن دیوبند سے واپسی پر مجھ سے فرمانے لگے“ قاضی صاحب جس طرح برہمن مندر میں جا کر ہر چھوٹے اور بڑے بت کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہے اور پھول چڑھاتا ہے، اسی طرح میں تو دیوبند میں سب بزرگوں کی خدمت میں جاتا ہوں اور ان کی دعائیں لیتا ہوں میرے تو سب بزرگ ہیں، سب مجھ سے محبت کرتے ہیں“۔[4]

بزرگوں سے عقیدت: اپنی مخصوص بے تکلفی کے باوجود مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اپنے اساتذہ اور اکابرین کے ساتھ وارفتگی و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے اور ان کی اولاد بلکہ ان کے احباب سے بھی اخلاص و محبت کا معاملہ فرماتے تھے اور اپنے ساتھیوں کو بھی بزرگوں سے عقیدت کی تلقین فرماتے تھے، مولانا انظر شاہ کشمیری، بزرگوں سے انکی عقیدت اور بے تکلفی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

> ”رائے پور کی خانقاہ میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری کے دست پر بیعت ہوئے تھے، ان کے انتقال کے بعد ان کے خلیفہ حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری کی طرف رجوع کیا تھا) بعد مغرب اس حال میں پایا کہ ان کے پیر و مرشد مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری ایک چارپائی پر تشریف فرما تھے اور مقابل کی دوسری چارپائی پر مرحوم رئیس الاحرار اپنی مخصوص بے تکلفی کے ساتھ بیٹھے تھے“۔[5]

لدھیانہ میں سول نافرمانی کی ابتداء: چونکہ آزادی اور حریت کا جذبہ آپ کے رگ و پے میں موجزن تھا اس لیے دیوبند سے فارغ التحصیل ہوتے ہی تقاریر کا سلسلہ شروع کر دیا۔ محمد اسلم اپنی کتاب ”1947ء میں لدھیانہ کے مسلمانوں پر کیا گزری“ میں ان کے پوتے کے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے یکم دسمبر 1921ء کو لدھیانہ میں ولولہ انگیز تقریر کی اور لوگوں کو انگریز حکومت کے خلاف ”سول نافرمانی“ کے لیے تیار رہنے کا حکم دیا۔ ان میں ہندو، مسلم اور سکھ سبھی شامل تھے۔ مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کی عورتیں، بچے، بوڑھے سب سول نافرمانی کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ نے اپنی تقریر میں لوگوں کو دو نعرے لگانے کی تلقین کی، ہندو مسلم بھائی بھائی اور انقلاب زندہ باد۔ 8 دسمبر 1921ء کو ماسٹر تاج الدین انصاری رضاکاروں کے ایک بڑے جلوس کے ساتھ سول نافرمانی کرتے ہوئے بازار میں نکلے رضاکاروں کے جتھے میں مسلمان، ہندو اور سکھ نوجوان شامل تھے۔ پولیس نے ان سب کو گرفتار کر لیا، پنجاب میں رضاکاروں کا یہ پہلا بیچ تھا جو

گرفتار ہوا۔ دوسرے دن مولانا حبیب الرحمٰن کے چھوٹے بھائی مولانا محمد یحییٰ دو سو رضاکاروں کے ہمراہ سول نافرمانی کرتے ہوئے گرفتار ہوئے۔ تیسرے روز 10 دسمبر 1921ء کو لدھیانہ میں اندھوں کے مدرسہ کے 100 نابینا حافظ قرآن طلباء نے اپنے استاد مولانا محمد یٰسین کی سرکردگی میں سول نافرمانی کی۔ اندھوں کی سول نافرمانی نے سارے شہر میں آگ لگادی اور حکومت خوفزدہ ہوگئی۔ 10 دن میں تین ہزار مسلمان، ہندو اور سکھ رضاکار جیل میں پہنچ گئے۔ 20 دسمبر کو برقع پوش خواتین کا جلوس سول نافرمانی کے لیے نکلا مگر پولیس کو عورتوں کو گرفتار کرنے کی ہمت نہ ہوئی"۔[6]

مولانا حبیب الرحمٰن کی گرفتاری: کئی دن اسی کشمکش میں گزر گئے پولیس عوامی غیظ و غضب سے بچنے کے لیے مولانا کو گرفتار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن حکام بالا کی طرف احکامات کے بعد آخر کار پولیس مولانا کو گرفتار کرنے پہنچ گئی۔ مولانا کے پوتے حبیب الرحمٰن ثانی بیان کرتے ہیں کہ:

"22 دسمبر 1921ء کو صبح آٹھ بجے مسلح پولیس آفیسر لدھیانہ مولانا حبیب الرحمٰن کے گھر آئے اور ان کی گرفتاری کا وارنٹ دکھایا۔ مولانا حبیب الرحمٰن بلا تردد ان کے ساتھ چل دیے۔ پولیس افسر ان انہیں بغیر ہتھکڑی لگائے جیل لے جانا چاہتے تھے لیکن ان کا اصرار تھا کہ ہتھکڑی لگائی جائے۔ آخر کار پولیس کو ہتھکڑی لگانا پڑی، لوہے کی زنجیریں مولانا حبیب الرحمٰن کے ہاتھوں میں ڈالی گئیں تو وہ بے حد خوشی محسوس کر رہے تھے"۔[7]

مولانا کے بھتیجے مشہود مفتی اپنی کتاب ہندوستان کی جنگ آزادی اور علمائے لدھیانہ میں اس موقع پر مولانا کی طرف سے ادا کیے گئے الفاظ نقل کرتے ہیں:

"جب لوہے کی زنجیریں میرے ہاتھ میں ڈالی گئیں تو مجھے بے حد خوشی حاصل ہوئی کہ سچائی اور آزادی کے راستے میں کام کرنے والے اہلِ حق اور سچائی کی آواز بلند کرنے والے مجاہدین کی سنت ادا کر رہا ہوں"۔[8]

سب سے پہلے مولانا کو لدھیانہ جیل لے جایا گیا پھر انہیں اور ان کے بھائی مولانا محمد یحییٰ کو انبالہ جیل منتقل کرنے کے لیے اسٹیشن لایا گیا تو ہزاروں لوگ جمع ہو گئے اور نعرہ بازی شروع کر دی، ایس پی لدھیانہ مسٹر سکروگی لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ ہجوم کو ڈنڈوں سے منتشر کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں مسٹر سکروگی تین بار پلیٹ فارم پر گرے۔ تین دن بعد آپ کو انبالہ جیل سے میانوالی جیل منتقل کر دیا گیا اور چھ ماہ بعد آپ کو دھرم سالہ جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ دو ماہ بعد آپ کو پھر لدھیانہ جیل منتقل کر دیا گیا لیکن پھر اچانک تین دن بعد آپ کو پھر دھرم سالہ جیل منتقل کر دیا گیا جہاں 16 اگست 1923ء کو آپ اپنی قید مکمل کر کے رہا ہوئے۔ گھر آئے تو گھر کھنڈر کا منظر پیش کر رہا تھا۔ گھر کی کچی چار دیواری گر چکی تھی اور ان کی اہلیہ نے رسی باندھ کر اس پر ٹاٹ کے پردے ڈالے ہوئے تھے۔ لیکن لدھیانہ کے اس فرزند نے مجلس احرار کے پلیٹ فارم سے انگریزوں کے خلاف ساری زندگی تحریک جاری رکھی اور مختلف اوقات میں کم و بیش 23 برس تک جیل میں رہے۔

مجلس احرار کی بنیاد: "مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علیؒ کی قیادت میں جب تحریک خلافت کا غلغلہ بلند ہوا تو یہ برصغیر کی پہلی سیاسی تحریک تھی جو آئندہ چل کر نصف درجن کے لگ بھگ سیاسی تحریکوں کی نرسری ثابت ہوئی۔ مولانا حبیب الرحمان لدھیانویؒ اس کے اہم رہنماؤں میں سے تھے اور پنجاب خلافت کمیٹی کے سربراہ تھے۔ تحریک خلافت کا شیرازہ بکھر جانے کے بعد پنجاب میں تحریک خلافت کے رہنماؤں کے قومی سطح پر تحریک آزادی کے حوالے سے بعض مسائل پر مرکزی تحریک خلافت اور پنجاب کی تحریک خلافت میں اختلاف نمودار ہونے لگے اس تحریک (تحریک خلافت) نے ترکی کی خلافت عثمانیہ کو بچانے میں تو کامیابی حاصل نہ کی البتہ اس جوش و خروش میں برصغیر کے مسلمانوں میں بیداری کی ایک نئی لہر پیدا ہوئی اور تحریک آزادی کو جوش و جذبہ سے سرشار راہنماؤں اور کارکنوں کی ایک تازہ دم کھیپ مل گئی۔ اس کے نتیجے میں پنجاب کی تحریک خلافت کے لیڈروں نے مرکز سے اپنا راستہ الگ کرتے ہوئے "مجلسِ احرارِ اسلام ہند" کے نام سے ایک نیا پلیٹ فارم قائم کر لیا۔ احرار راہنما مکمل آزادی کے جذبہ سے سرشار تھے اور انہیں چودھری افضل حق کا دماغ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا جوش عمل اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ساحرانہ خطابت میسر تھی۔ اس لیے دیکھتے ہی دیکھتے پورے ہندوستان میں احرار کا طوطی بولنے لگا"۔[9]

چودھری افضل حق مجلس احرار کے قیام کے بارے میں اپنی کتاب "تاریخ احرار" میں لکھتے ہیں:

"آزادی کے لیے مسٹر گاندھی اور دوسرے ہندوؤں نے مسلمانوں سے کامل اشتراک کیا لیکن لالہ لاجپت رائے قسم کے متعصب ہندو لیڈروں نے ہندو مسلم کے اس اتحاد کو فرنگی شاطر کے ایماء سے پارہ پارہ کرنے کی ناپاک کوششیں شروع کر دیں، دو قومی اختلافات کے سوال کو خوب ہوا دی تاکہ ملک میں ہندو مسلم کشیدگی پیدا ہو کر فسادات شروع ہو جائیں اور موجودہ خوشگوار فضا غارت ہو کر رہ جائے۔ نہرو رپورٹ نے کانگریس بالخصوص ہندو کی اصل ذہنیت کو بالکل بے نقاب کر

دیا اور بعض کانگریسی لیڈروں نے متعصب ہندو جماعتوں کی کھلم کھلا سرپرستی اور حوصلہ افزائی شروع کر دی، اس سے حساس اور مخلص بزرگوں کو شدید صدمہ پہنچا۔ ایسے سنگین اور نازک حالات میں ایک اولوالعزم، بہادر، مخلص، خالص عوامی اور اصلاحی جماعت کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی تاکہ غیر مسلم جماعتوں کی زبردستیوں اور جارحانہ تحریکات کا ضروری سدباب اور مستقل محاذ پر انگریز کا مردانہ وار مقابلہ کیا جاسکے۔ یہ جماعت ملکی سیاسیات کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام کے نفاذ اور حکومت الٰہیہ کے قیام کی علم بردار ہو جو پوری قوت، جرات اور استقلال کے ساتھ آزادی وطن کی جنگ لڑ سکے۔ چنانچہ اسی غرض سے 1929ء میں مسلم بہادروں، اولوالعزم مجاہدوں، سر بکف جاں بازوں، عظیم الشان شجاعوں اور عظیم محب وطن انسانوں کی جماعت "مجلس احرار اسلام ہند" کے نام سے عالم وجود میں آئی، اس کے اولین بانیوں میں چودھری افضل حق، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا ظفر علی خان، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، غازی عبدالرحمٰن امرتسری، جناب شیخ حسام الدین، مولانا داؤد غزنوی اور جناب مولوی مظہر علی اظہر شامل تھے"۔[10]

گو مجلس احرار اور دیگر قوم پرست جماعتیں برسوں سے کانگریس کا بلامشروط ساتھ دے رہی تھیں لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ ہندوؤں کی تنگ نظری کے ہاتھوں پریشان بھی تھیں بعینہ احرار بھی ہندو ذہنیت کی تنگ دلی سے سخت نالاں تھے۔ احرار کا جذبہ ناراضگی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی جس کی واضح اور ناقابل تردید شہادت یہ ہے کہ تحریک خلافت کے خاتمہ پر مجلس احرار کی بنیاد رکھنے والے تمام مسلم زعماء خصوصاً پنجاب سے تعلق رکھنے والے اکابر ایک ایک کر کے کانگریس کی ورکنگ کمیٹی اور پھر آخر کار اس کی رکنیت سے بھی مستعفی ہو گئے۔ چنانچہ 1929ء میں کانگریس کے اجلاس کراچی سے واپسی پر چودھری افضل حق مرحوم نے مستعفی ہو کر ہندو ذہنیت سے بے زاری اور مسلمانوں کے لیے تحفظِ حقوق کی جداگانہ تحریک و جماعت سازی کی ضرورت پر مہر تصدیق ثبت کر دی اور اسی سال 29 دسمبر 1929ء کو مجلس احرار اسلام ہند کی بنیاد رکھی گئی۔

جبکہ بقول شورش کاشمیری: "احرار کی تاسیس کے بارے میں بھی مختلف آراء سامنے آتی ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری جنہیں عُرفِ عام میں شاہ جی کہا جاتا تھا ان کی روایت یہ ہے کہ 1929ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے انہیں مجلسِ احرار اقائم کرنے کا مشورہ دیا تھا جبکہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی یہ کہتے تھے کہ احرار کا قیام اس مشورے سے قطعی مختلف بنیادوں پر ہوا تھا اور آئندہ جو اقدامات بھی کیے گیے ان میں مولانا کا مشورہ بھی شامل نہیں تھا بلکہ مولانا آزاد انہیں (احرار) ملکی و قومی مصلحتوں کے منافی سمجھتے تھے"۔[11]

مجلس احرار کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے خان غازی کابلی لکھتے ہیں کہ:

مجلس کے اغراض ومقاصد کا مختصر خاکہ حسب ذیل ہے:

(۱) پرامن ذرائع سے ہندوستان کے لیے مکمل آزادی حاصل کرنا۔

(۲) ہندوستان اور بیرون ہند کی اسلامی سیاست میں مسلمانان ہند کی صحیح رہنمائی کرنا۔

(۳) دیسی مصنوعات کی ترقی اور سودیشی اشیاء کی ترویج کے لیے کوشش کرنا۔

(۴) مزدوروں اور کسانوں کو اقتصادی اصولوں پر منظم کرنا۔

(۵) ہر جگہ جیش احرار اسلام قائم کرنا۔

(۶) اور تمام ہندوستان میں مسلمانوں کو منظم کرنے کے لیے مجلس احرار قائم کرنا۔[12]

ڈاکٹر پی۔ این۔ چوپڑہ مجلس احرار اسلام کے قیام کے مزید مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مجلس احرار کے اغراض ومقاصد میں ہندوستان کی آزادی، دوسری سیاسی تنظیموں سے اشتراک، مسلمانوں کی تعلیم، معاشی پس ماندگی کو دور کرنے کی سعی اور مسلمانوں میں سیاسی بیداری اور اسلامی نقطہ نظر پیدا کرنا شامل تھے"۔[13]

مجلس احرار کی دس سالہ صدارت: مجلس احرار کی اٹھارہ سالہ سیاسی حیات کے تقریباً نصف سے زیادہ عرصہ کی صدارت کا اعزاز مولانا حبیب الرحمٰن کی ذات کو حاصل رہا ہے ۔ اپنے اس دور میں مولانا نے مجلس احرار کو مندرجہ بالا مقاصد واہداف کے مطابق چلایا۔ مولانا کے صاحبزادے عزیز الرحمٰن لدھیانوی اپنی کتاب رئیس الاحرار اور ہندوستان کی جنگ آزادی میں اس بارے میں یوں ذکر کرتے ہیں:

"رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی دس سال تک مجلس احرار کے صدر رہے، اس زمانہ صدارت میں 1929ء

کی سول نافرمانی کے بعد تحریک کشمیر، تحریک کپور تھلہ، تحریک بہاولپور، تحریک قادیان اور تحریک شہید گنج کو مولانا کی فکری اور عملی رہنمائی حاصل رہی اور جماعت احرار کو پورے نظم و ضبط کے ساتھ چلاتے رہے۔صوبہ یوپی اور صوبہ سرحد، بہار، بمبئی اور بنگال تک مجلس احرار کے نظام کو پھیلایا اور منظم کیا اور اپنے دور صدارت میں ہندوستان کی سیاسی جماعت کے لیڈروں سے سیاسی مسائل پر ہمیشہ ایسی بات چیت کرتے رہے جس سے جماعت احرار کے وقار میں اضافہ ہو۔ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتوں کو احرار کی تنظیم کو ماننا پڑا جو رئیس لاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی بہت بڑی کامیابی تھی"۔[14]

ایک بار پھر گرفتاری: اپریل 1930ء کی صبح رئیس الاحرار کو ایک بار پھر پابند سلاسل کر دیا گیا۔ان کے ہمراہ سینکڑوں احرار رضاکاروں نے بھی گرفتاریاں پیش کیں جن پر بہت تشدد کیا گیا۔مولانا کے قریبی ساتھیوں غازی عبدالرحمٰن عرف مانا، معراج دین، غازی عبدالعزیز خطائی فروش اور برکت علی عرف جناب علی کو فرش پر لٹا کر لاٹھیاں برسائیں گئیں لیکن ان جان نثار ساتھیوں میں سے کسی ایک نے بھی مولانا حبیب الرحمٰن کا ساتھ نہ چھوڑا۔ جیل انتظامیہ نے آپ کو عام قیدیوں کے ساتھ رکھنے کی بجائے پھانسی کی کوٹھڑی میں قید کر دیا۔اس بات سے لوگوں میں اشتعال پھیل گیا۔

عوام کا جیل پر دھاوا: مولانا محمد عثمان لدھیانوی اپنی کتاب" قافلہ علم و حریت" میں اس واقعہ کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"اگلی صبح ہزاروں مرد و خواتین نے جیل پر دھاوا بول دیا۔ایک محتاط اندازے کے مطابق اس ہجوم میں تقریباً چھ ہزار خواتین تھیں۔عوام کے اس جم غفیر کو اپنے سامنے جو چیز بھی نظر آئی انہوں نے توڑ ڈالی۔اس سے جیل انتظامیہ گھبرا گئی اور آخر کار انہوں نے مولانا کو عوام کے سامنے پیش کر دیا۔مولانا نے براہ راست مشتعل ہجوم کو مطمئن کیا کہ میں اب اپنے ساتھی رضاکاروں میں آ گیا ہوں تب کہیں جا کر وہ ہجوم اپنے گھروں کو واپس گیا۔اس واقعہ سے انگریز حکمرانوں کے دل میں مولانا کی عوامی مقبولیت عیاں ہو گئی لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے ہمیشہ کے لیے مولانا کو بلیک لسٹ کر دیا"۔[15]

پاکستان ہجرت: لدھیانہ کے چھاؤنی کیمپ میں قیام کے دوران مولانا کے دوست غلام مرتضیٰ آرائیں ایڈووکیٹ کا لاہور سے فون آتا تھا اور وہ اصرار کرتے تھے کہ آپ لوگ فوراً لاہور آ جائیں۔ غلام مرتضیٰ آرائیں ایڈووکیٹ کے مخلصانہ اصرار پر مولانا حبیب الرحمٰن اپنے اہل خانہ کے ہمراہ ٹرین میں سلاہور پہنچ گئے۔یہاں پہنچ کر پہلے انہوں نے مجلس احرار کے دفتر میں قیام کیا اور پھر اپنے دوستوں کے ہاں اٹھ گئے۔پاکستان میں لوگوں نے ان کو کانگریسی اور دیگر القاب دے کر طعنے دینے شروع کیے تو وہ چند ماہ بعد ہندوستان واپس چلے گئے"۔[16]

اس کے علاوہ ان کے مرشد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری بھی لاہور میں موجود تھے۔انہوں نے مولانا کو حکم دیا کہ آپ ہندوستان واپس چلے جائیں، وہاں کے مسلمانوں کو آپ کی ضرورت ہے۔وہاں جائیں اور دین کی خدمت کریں۔اسی دوران مولانا کے بھائی مولانا یحییٰ بھی پاکستان آ چکے تھے۔ تین ہفتے اس خاندان نے شیر انوالہ گیٹ لاہور میں مولانا احمد علی لاہوری کے مدرسے میں گزارے اور اس کے بعد خاندان سمیت بہاولپور چلے گئے جہاں ان کے والد کے نام ساڑھے چھ مربع اراضی الاٹ ہوئی تھی۔مولانا یحییٰ یہاں سے ٹوبہ ٹیک سنگھ چلے گئے۔

ہندوستان واپسی: پاکستان میں مختصر قیام کے دوران آپ کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیے گئے کہ آپ کو ہندوستان واپس جانا پڑا۔مولانا حبیب الرحمٰن نے مولانا ابوالکلام آزاد کو ہندوستان فون کر کے شکوہ کیا کہ انگریز سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے ہم نے بے انتہا قربانیاں دی ہیں لیکن ہندوستان آزاد ہونے پر آپ لوگ ہمیں بھول گئے ہیں۔اس پر مولانا آزاد نے فوراً ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے رابطہ کیا۔ جواہر لال نہرو کی سیکرٹری مردولا بائی ان دنوں ہندو اور سکھ مہاجرین کی بحالی کے کام کے سلسلہ میں پاکستان آئی ہوئی تھیں۔انہوں نے اپنے ساتھ دہلی لے جانے کے لیے فوراً دو ہوائی ٹکٹ مولانا حبیب الرحمٰن کو دیے اور مولانا اپنی اہلیہ شفاعت النساء کو لے کر دہلی چلے گئے جہاں دہلی ایئر پورٹ پر ہندوستان کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے خود ان کا استقبال کیا۔وقت کے وزیر اعظم سے تعلقات ہونے کے باوجود مولانا حبیب الرحمٰن نے دہلی میں کرائے کے مکان میں رہائش اختیار کی تھی۔

اہلیہ کا انتقال: دہلی میں قیام پذیر ہوئے مولانا کو ابھی چار ماہ ہی ہوئے تھے کہ ان کی اہلیہ کی 27 مئی 1948ء کو نمونیہ اور بخار کے باعث اچانک طبیعت خراب ہو گئی ڈاکٹر سے رجوع کیا گیا لیکن جانبر نہ ہو سکیں اور یوں یہ پیکر علم و استقامت خاتون دو جون 1948ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئیں اور شاہجہانی مسجد کے سایہ میں دفن کی گئیں۔[17]

وفات: دنیا سے جب کوئی بزرگ شخصیت دار فانی کو کوچ کرتی ہے تو اس کے انتقال پر پورے عالم پر ایک رنج وملال کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ ایسے بزرگوں کا تعلق کسی ایک خاندان یا فرد سے نہیں ہوتا، بلکہ یہ تمام انسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہوتے ہیں، ان کے کوچ کر جانے سے تمام لوگوں کو دکھ اور تکلیف ہوتی ہے اور پوری انسانیت کو نقصان ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی شرح منار القاری میں آیا ہے کہ "موت العالم خسارة عظيمة،لأنَّ العلم يرفع بموت العلماء"[18] کہ عالم کی موت ایک عظیم خسارہ ہے کیونکہ علماء کی موت کی وجہ سے دنیا سے علم اٹھالیا جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی موت کو "موت العالِم، موت العالَم" کہا جاتا ہے، مولانا موصوف بھی ایک ایسی ہی ہستی تھے ، آپ علم وفضل، نیکی وپاکیزگی اور تقویٰ وپرہیز گاری کا عملی نمونہ تھے اور ایسے انسان تھے جن کا ظاہر وباطن ایک ہوتا ہے ان جیسے بزرگوں کی موت درحقیقت ان کی اپنی موت نہیں ہوتی بلکہ پوری دنیا کی موت ہوتی ہے۔

ابتدائے مرض: مولانا کو جب اگست 1922ء کو لدھیانہ جیل میں نظر بند کیا گیا تو ان سے پہلے جیل حکام کے رویے اور کھانے کے ناقص معیار کے بارے میں سینکڑوں رضاکاروں نے بھوک ہڑتال کر رکھی تھی، مولانا موصوف بھی صورت حال کی آگاہی کے بعد ان کے ہڑتال میں شریک ہوگئے اور اس دوران یہ کوشش بھی کرتے رہے کہ رضاکاروں اور جیل حکام کے درمیان صلح کی کوئی صورت نکل آئے، آپ کی کوشش آخر کار رنگ لے آئی اور بھوک ہڑتال ختم ہوگئی، لیکن لنگر کے لیے جو دال پکائی گئی تھی اس میں کسی نے جان بوجھ کے پرانے جوتے ڈال دیے تھے جس کی وجہ سے دال بہت بدبودار ہو چکی تھی، اس حرکت سے رضاکاروں میں پھر اشتعال پھیل گیا جس کی وجہ سے رضاکاروں کو کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا، اس واقعہ کو مولانا اپنی خود نوشت میں یوں بیان کرتے ہیں:

> "والنٹیر غصے میں بھرے ہوئے لنگر کی دال جس میں جوتے پکے ہوئے تھے وہ پکے ہوئے جوتے کو میرے سامنے لائے، رضاکاروں کا غیظ وغضب دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ جیل حکام سے صلح کی گفتگو اور فیصلہ بجائے فائدے کے لڑائی کا پیش خیمہ بن جائے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ رضاکار تشدد پر اتر آئیں اور گورنمنٹ کا رویہ سخت ہو جائے چنانچہ میں نے اس بڑے تصادم کو ٹالنے کے لیے ذرا سخت انداز میں رضاکاروں سے کہا کہ یہ جیل ہے یہاں گھر کی طرح کھانے نہیں مل سکتے، یہ دال کیا بری ہے، یہ کہہ کر میں دال کا پیالہ اٹھا کر پی گیا، میرے اس عمل نے رضاکاروں کے جذبات تو ٹھنڈے کر دیے اور رضاکار اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے لیکن اس روز رضاکاروں نے صرف روٹی کھائی، دال نہیں کھائی۔ میرا یہ حال ہوا کہ چھ دن کے فاقے کے بعد اس طرح کی بدبودار دال اور وہ بھی زیادہ مقدار میں پی جانے سے میرے معدے کا نظام بگڑ گیا اور مجھے خونی پیچش ہوگئی۔ چودہ دن تک مجھے خون کے دست آتے رہے، بڑی مشکل سے سول سرجن نے اس پر قابو پایا۔ دھرم شالہ جیل جا کر بھی کافی علاج ہوتا رہا جس سے عارضی افاقہ ہو گیا لیکن اس بیماری نے ایسی جڑ پکڑ لی کہ ہمیشہ کے لیے معدہ کا نظام خراب ہو گیا۔ ذرا سی بدپرہیزی پر دست آنے لگتے یا شدید قسم کا قبض ہو جاتا۔ اس ایک بیماری سے دوسری بیماریاں بھی میرے جسم میں اس درجہ پیدا ہو گئیں جو زندگی میں ہر وقت ساتھ لگی رہتی ہیں، اس بیماری کی وجہ سے کھانے کا ذائقہ ہی ختم ہو گیا، پرہیز اس طرح کا ہے مجھے لال مرچ کھائے ہوئے چونتیس سال ہوگئے، صرف نمکین شوربہ اور سبزیاں کھاتا ہوں، جب کبھی سرخ مرچ کھالوں فوراً بیمار ہو جاتا ہوں، لیکن یہ اللہ کی رحمت اور اس کا فضل ہے کہ اس حال میں بھی پینتیس سال کام کرتا رہا"۔[19]

آپریشن کی تجویز: مولانا اپنی عمر کے آخری دس سال اکثر بیمار رہے، ڈاکٹر شنکر داس مہرہ اور ہمدرد دواخانہ کے بانی حکیم عبد الحمید ان کے خاص معالج تھے۔ ثانی الذکر کے ساتھ مولانا کے بڑے گہرے مراسم تھے جو ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں کے ساتھ بھی رہے، اول الذکر سے مولانا کی اولاد کا تعلق بھی ایک گھریلو فرد کی طرح تھا۔ مولانا کی بیماری کی صورت میں مذکورہ بالا دونوں حضرات نسخہ تجویز فرماتے، وفات سے کچھ عرصہ قبل اگست 1956ء میں جب مولانا کو پیٹ میں درد کی شکایت محسوس ہوئی تو ڈاکٹر شنکر داس سے رابطہ کیا جنہوں نے آپریشن کا مشورہ دیا، مرض کی مکمل تشخیص کے بعد انہیں گنگارام ہسپتال میں داخل کرادیا گیا جہاں ڈاکٹر ایس ایم کول کی زیر نگرانی مشہور سرجن ڈاکٹر کھیڑ نے ان کا کامیاب آپریشن کیا۔

نماز جنازہ: جنازہ میں شرکت کے لیے دور دور سے لوگ جوق در جوق تشریف لائے، بہر حال ایک بھیڑ تھی جو مولانا کے آخری دیدار کے لیے امڈ آئی تھی اور جنازہ کے ساتھ مولانا کی آخری آرام گاہ تک تشریف لائی۔ ان کے صاحبزادے مولانا عزیز الرحمٰن جامعی لکھتے ہیں کہ:

> "ایک بجے مولانا کے جنازے کا جلوس گھر سے روانہ ہوا، جامع مسجد شاہ جہانی میں کوئی بیس ہزار آدمیوں نے نماز جنازہ میں

شرکت کی، قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے نماز جنازہ پڑھائی، جو کیم ستمبر کی شام کو مل کر دیوبند تشریف لے گئے تھے، پھر دوبارہ دوسرے دن موٹر سے نمازہ جنازہ پڑھانے تشریف لائے، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اس طرح اپنی کامیاب اور پاکیزہ زندگی گزار کر ہمیشہ کے لیے دنیا والوں سے جدا ہو کر بارگاہ رب العلمین میں حاضر ہوئے۔ دلی جامع مسجد کے ملحقہ قبرستان میں جہاں پہلے سے آپ کی اہلیہ کی قبر تھی، اسی کے قریب تقریباً تین بجے آغوش لحد میں رکھ دیا گیا اور آپ ہمیشہ کے لیے ابدی نیند میں آرام فرما ہو گئے"۔[20]

"آپ کا انتقال صبح آٹھ بجے ہوا۔ انتقال کے وقت آپ کی عمر 64 سال تھی۔ عجیب اتفاق ہے کہ ان کی ولادت 11 صفر المظفر بروز اتوار کو ہوئی اور رحلت بھی 11 صفر المظفر بروز اتوار ہی کو ہوئی"۔[21]

اخبارات ورسائل میں تعزیت: مولانا کی وفات پر ہر طبقہ فکر کے افراد نے آنسو بہائے اور اظہار تعزیت کیا جن میں سیاسی مبصرین، ادیب و شعراء اور محدثین وفقہاء شامل ہیں، چند اخبارات ورسائل کے تراشے درج ذیل ہیں:

1- **روزنامہ "الجمیعۃ" دہلی دہلی 03 ستمبر**

"الجمیعۃ بڑے رنج والم کے ساتھ یہ روح فرسا اطلاع دیتا ہے کہ کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی کا آج صبح تقریباً 64 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ مرحوم ان چند برگزیدہ ہستیوں میں تھے جنہون نے آزادیٔ وطن کے لیے بیش بہا خدمات انجام دیں اور پوری زندگی ملک وملت کی خدمات میں صرف کی"۔[22]

2- **روزنامہ "نوائے پاکستان" لاہور ایک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی۔۔**

"آج ہم یہ المناک خبر سن رہے ہیں کہ برصغیر پاک وہند کی مایہ ناز شخصیت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی 02 ستمبر کی صبح پوری ملت سلامیہ کو سوگوار چھوڑ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔"انا للہ و انا الیہ راجعون"۔ مولانا علم وفضل، زہد وتقویٰ اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے ایک منفرد اور ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ مولانا کا خاندان ملک بھر میں ممتاز اور معروف تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے محاسن وکمالات اور آپ کی عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر نے ایک دفعہ آپ کے متعلق کہا تھا:

"مولانا آپ کو دیکھ کر فاروق اعظم حضرت عمرؓ یاد آجاتے ہیں"۔

ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا کی وفات سے ملت اسلامیہ کو جو نقصان عظیم پہنچا اور آپ کی موت سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کی تلافی مشکل ہو سکے گی۔ مولانا کی وفات سے پاک وہند ہی نہیں بلکہ دنیائے اسلام سوگوار ہے۔ (شریک غم ادارہ نوائے پاکستان)"۔[23]

اس کے ساتھ ساتھ دیگر سینکڑوں اخبارات ورسائل نے آپ کی وفات پر اپنے دلی احساسات وجذبات کا اظہار کیا۔ جن کے بیان کے بہت سے دفاتر درکار ہیں۔ اللہ ان کی روح پر اپنی رحمت نچھاور فرمائے۔ آمین

خلاصہ: رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی برصغیر کی تحریکِ آزادی کے ایک ممتاز عالمِ دین، بے باک سیاسی رہنما، انقلابی قائد اور مجاہدِ آزادی تھے۔ آپ نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ برطانوی استعمار کے خلاف جدوجہد، ملت کی بیداری اور عوامی اصلاح کے لیے وقف کیا۔ آپ کا شمار مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ دہلوی، حکیم اجمل خان اور دیگر ممتاز رہنماؤں کے رفقا میں ہوتا تھا۔ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے تحریکِ خلافت، تحریکِ عدم تعاون اور تحریکِ آزادی میں فعال کردار ادا کیا۔ 1921ء سے 1947ء کے دوران انہیں متعدد مرتبہ گرفتار کیا گیا اور مجموعی طور پر تقریباً تیرہ سال چھ ماہ قید وبند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ ان کی سیاسی زندگی کا ایک اہم پہلو مجلسِ احرارِ اسلام سے وابستگی تھا۔ 29 دسمبر 1929ء کو قائم ہونے والی مجلسِ احرار کے اہم رہنماؤں میں آپ کا شمار ہوتا تھا اور آپ طویل عرصے تک مجلسِ احرارِ ہند کے صدر رہے۔

رئیس الاحرار کی جدوجہد صرف سیاسی آزادی تک محدود نہیں تھی بلکہ وہ عوام میں سیاسی شعور، اتحاد، جمہوری اقدار، سماجی انصاف اور باہمی رواداری کے فروغ کے بھی داعی تھے۔ وہ فرقہ وارانہ تعصبات کے بجائے مختلف طبقات کے درمیان اتحاد اور قومی یکجہتی پر زور دیتے تھے۔ ان کی قیادت میں احرار تحریک نے عوامی سطح پر سیاسی بیداری پیدا کرنے اور استعمار کے خلاف جدوجہد کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی شخصیت کا نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ صرف گفتار کے نہیں بلکہ کردار اور عملی جدوجہد کے بھی رہنما تھے۔ قید و بند کی مشکلات، سیاسی دباؤ اور مسلسل جدوجہد کے باوجود انہوں نے اپنے اصولوں سے سمجھوتا نہیں کیا۔ ان کی زندگی ایثار، استقامت، حریتِ فکر، سیاسی بصیرت اور ملی و قومی خدمت کی روشن مثال ہے۔ ان کی تصنیف "**رئیس الاحرار: ہندوستان کی جنگِ آزادی** " بھی ان کی سیاسی فکر اور جدوجہد کے مطالعے کے لیے اہم ماخذ ہے۔

مختصراً، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی برصغیر کی تاریخ میں ایک ایسے رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے علم، سیاست، عمل اور قربانی کو یکجا کر کے آزادی، عوامی بیداری اور معاشرتی اتحاد کے لیے قابلِ ذکر خدمات انجام دیں۔ ان کی جدوجہد نئی نسل کے لیے عزم، حوصلے، اصول پسندی اور قومی خدمت کا قابلِ قدر نمونہ ہے۔

Bibliography:

1 عزیز الرحمٰن لدھیانوی، رئیس الاحرار اور ہندوستان کی جنگ آزادی، رئیس الاعلیٰ پریس گلی سوداگران دہلی، 1969ء ص 95

2 عزیز الرحمٰن لدھیانوی، مقدمہ، ص 13

3 محمد عثمان رحمانی لدھیانوی، قافلہ علم و حریت، کتب خانہ احرار جامع مسجد لدھیانہ (ہندوستان)، س،ن، ص 123

4 عزیز الرحمٰن جامعی، در حدیث دیگراں، ص 183

5 در حدیث دیگراں، عزیز الرحمٰن جامعی، ص 118

6 عزیز الرحمٰن لدھیانوی، رئیس الاحرار اور ہندوستان کی جنگ آزادی، ص 105

7 محمد اسلم، 1947ء میں لدھیانہ کے مسلمانوں پر کیا گزری، الخیر پبلی کیشنز، فیصل آباد، 2014ء، ص 450

8 مشہود مفتی، ہندوستان کی جنگ آزادی اور علمائے لدھیانہ، لندن، 2011ء، ص 3

9 زاہد الراشدی، مجلس احرار اسلام، پس منظر اور جدوجہد، روزنامہ اوصاف، اسلام آباد، 7 مئی 1999ء

10 افضل حق، تاریخ احرار، مکتبہ مجلس احرار اسلام پاکستان، لاہور، 1968ء، ص (ط)

11 عبد الکریم، شورش کاشمیری، بوئے گل، نالہ دل، دود چراغِ محفل، مطبوعات چٹان، لاہور، جولائی 1972ء، ص 311

12 کابلی، خان غازی، حیات بخاری، (مدون شاہد کاشمیری)، ص 164

13 پی۔ این۔ چوپڑہ، ڈاکٹر، انڈیاز سٹریگل فار فریڈم، رول آف ایسوسی ایٹڈ موومنٹس، آگھم پرکاش، 1985ء، ج 2، ص 348

14 عزیز الرحمٰن لدھیانوی، رئیس الاحرار اور ہندوستان کی جنگ آزادی، ص 32

15 محمد عثمان رحمانی لدھیانوی، قافلہ علم و حریت، کتب خانہ احرار جامع مسجد لدھیانہ (ہندوستان)، س،ن، ص 135-134

16 محمد اسلم، 1947ء میں لدھیانہ کے مسلمانوں پر کیا گزری، الخیر پبلی کیشنز، فیصل آباد، 2014ء، ص 443

17 محمد اسلم، 1947ء میں لدھیانہ کے مسلمانوں پر کیا گزری، الخیر پبلی کیشنز، فیصل آباد، 2014ء، ص 469

18 حمزہ، محمد قاسم، منار القاري شرح مختصر صحیح البخاری، مکتبہ دار البیان، دمشق، 1990ء، ج 1، ص 198

19 رئیس الاحرار اور ہندوستان کی جنگ آزادی، عزیز الرحمٰن جامعی، ص 118

20 رئیس الاحرار اور ہندوستان کی جنگ آزادی، عزیز الرحمٰن جامعی، ص 337

21 محمد اسلم، 1947ء میں لدھیانہ کے مسلمانوں پر کیا گزری، الخیر پبلی کیشنز، فیصل آباد، 2014ء، ص 473

22 روزنامہ الجمیعۃ، دہلی، 04 ستمبر 1956ء

23 روزنامہ نوائے پاکستان، لاہور، 06 ستمبر 1956ء